درس حدیث

جناب پروفیسر مقبول احمد قطبی

ماہِ صیام

ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن "روزہ" ہے جسے عربی زبان میں صوم کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم رمضان وحج البیت من استطاع الیہ سبیلاً	اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر ہے۔ کلمہ شہادت، اقامتِ صلوٰۃ، ادائیگی زکوٰۃ، رمضان کے روزے۔ بیت اللہ کا حج جسے استطاعت ہو۔

صوم کا لغوی اور اصطلاحی معنی

عربی زبان میں صوم کا معنی ہے۔ باز رہنا، رک جانا۔ امام راغب مفردات میں فرماتے ہیں۔

الصوم فی الاصل الامساک عن الفعل مطعما کان او کلاما او مشیاً	لغت میں صوم کا معنی ہے رک جانا۔ خواہ یہ رکنا کلام میں ہو، کھانے میں ہو یا چلنے پھرنے میں۔

چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام نے جب گفتگو اور کلام نہ کرنے کی نذر مانی تو اس پر بھی آپ نے صوم کا لفظ ہی بولا۔

انی نذرت للرحمٰن صوما فلن اکلم الیوم انسیا	میں نے رحمٰن کے نام پر صوم کی نذر مانی ہے میں کسی سے آج کلام نہ کروں گی۔

عرب میں جب کوئی گھوڑا کھانے پینے یا چلنے سے رک جاتا۔ تو اس کو بھی فرس صائم کہا جاتا تھا۔ ایک شاعر نے بھی کہا۔

خیل صیام واخریٰ غیر صائم

جب ہوا بالکل بند ہو جاتی تو اسے بھی ریح صائمہ کہتے ہیں۔

شرعی اصلاح میں روزے یعنی صوم سے مراد یہ ہے کہ فجر ثانی کے طلوع ہونے سے کر غروبِ آفتاب تک مخصوص نیت کے ساتھ چند مخصوص افعال سے اجتناب و پرہیز کرنا اور باز رہنا معجم فقہی

وشرعًا الامساک عن اشیاء مخصوصۃ من طلوع الفجر الثانی الی غروب الشمس۔ — شرعاً صوم کا معنی فجر ثانی سے غروبِ آفتاب تک چند مخصوص اشیاء سے بچنا ہے۔

مفرداتِ امام راغب میں ہے۔

فی الشرع امساک مکلف بالنیۃ من الخیط الابیض الی الخیط الاسود عن تناول الاطیبین والاستمناء والاستقاء — شریعت میں مکلف کا نیت کے ساتھ خیطِ ابیض سے خیط اسود تک کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا صوم ہے۔

جن پر روزہ فرض نہیں:۔

(۱) حاملہ و مرضعہ ایامِ حمل میں اور جب ماں اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو اور وہ سمجھتی ہو کہ اگر انہوں نے روزہ رکھا تو انہیں مضر ہوگا تو ایسی صورت میں وہ روزہ نہ رکھیں تاہم بعد میں اس کی قضاء دیں۔

(۲) شیخ و عجوز عورت اور مرد جب انتہائی عمر رسیدہ ہوں اور روزہ رکھنے سے ان کی صحت و زندگی خطرے میں پڑنے کا احتمال و خدشہ ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں مگر چونکہ ان کی یہ حالت کیفیت دائمی ہے۔ اور اس بات کا امکان نہیں کہ وہ دوبارہ اسقدر صحت مند ہوسکیں کہ روزہ رکھ سکیں لہذا انہیں چاہیئے کہ اگر توفیق ہو تو ہر روز اپنے روزہ کے بدلے کسی مسکین کو روزہ رکھوا دیں۔ اسے سحری کھلائیں اور افطاری بھی کرائیں۔

(۳) دائمی مریض اسی طرح وہ شخص جو دائمی مریض ہو اور بظاہر اس کی شفایابی کی امید کم ہو تو اسے بھی چاہیئے کہ وہ اگر روزہ نہیں رکھ سکتا۔ تو روزانہ کسی مسکین کو روزہ رکھوائے اور افطاری کرائے

(۴) عارضی مریض جو شخص وقتی طور پر کسی بیماری یا عارضہ میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اور اس کی صحت یابی کی امید ہے۔ تو ایسا شخص حالتِ مرض میں روزہ نہ رکھے۔ اور صحتیابی کے بعد اس کی قضا دے۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو روزہ رکھنے کی وجہ سے کسی بیماری میں مبتلا ہوسکتا ہو۔ اگر اس کی یہ کیفیت عارضی ہے عارضی مریض اور اگر دائمی ہے۔ تو دائمی مریض کی طرح عمل کرے۔

(۵) حائضہ اور نفساء جو عورت ایامِ ماہواری میں مبتلا ہو۔ اس پر روزہ فرض نہیں اس طرح جو عورت حالتِ زچگی میں ہو۔ اس پر بھی روزہ فرض نہیں۔ تاہم ان دونوں کے لیے ضروری ہے۔ کہ صحت یابی کے بعد جتنے روزے رہ گیے ہیں۔ ان کی قضا دیں۔ اگر کوئی عورت حالتِ ماہواری یا زچگی کی عدت میں روزہ رکھے گی بھی تو اس کا روزہ نہ ہوگا۔ اگر حالت روزہ میں ہی ماہواری شروع ہو جائے یا حالتِ زچگی آجائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۶) نابالغ نابالغ بچی اور بچے پر روزہ فرض نہیں۔

(۷) مجنوں پاگل اور مجنوں انسان پر بھی روزہ فرض نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا شخص ہو جس پر پاگل پن اور جنون کے وقتی دورے پڑتے ہوں تو جن ایام میں بیمار ہو روزہ نہ رکھے۔ اور جب پاگل پن کے دورے نہ پڑ رہے ہوں تو ان دنوں میں روزے رکھے

(۸) کافر کافر پر روزہ فرض نہیں۔ اگر کوئی شخص ماہِ رمضان میں مشرف با اسلام ہو تو جو دن گزر چکے ہیں۔ ان کی قضا نہ دے۔ تاہم بعد میں آنے والے دنوں میں روزہ رکھے اور جس دن اس نے اسلام قبول کیا ہے۔ اگرچہ اس دن کا روزہ اس پر فرض نہیں۔ تاہم بہتر یہ ہے۔ کہ قبولِ اسلام کے بعد غروبِ آفتاب تک کچھ نہ کھائے اور پیئے۔

(۹) مسافر مسافر پر بھی روزہ فرض نہیں۔ اگر حالتِ سفر میں ہی ماہِ رمضان آجائے تو روزہ نہ رکھے۔ اگر رات کو سفر شروع کیا ہے۔ تو صبح روزہ نہ رکھے۔ اور اگر دن کو سفر کا پروگرام بنا ہے۔ تو بھی روزہ نہ رکھے۔ اور اگر روزہ رکھنے کے بعد سفر کا پروگرام بنا ہے۔ تو اسے چاہیے کہ روزہ مکمل کرے۔ تاہم اگر ضرورت محسوس کرے تو دورانِ سفر روزہ افطار بھی کر سکتا ہے۔ بعض ائمہ نے سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت صرف ان لوگوں کو دی ہے جن کا سفر کسی معصیت یا گناہ کے لیئے نہ ہو۔ ان کا خیال یہ ہے۔ کہ اگر گناہ کا سفر ہو تو پھر افطار کی اجازت نہیں۔

علت اور حکمت میں فرق قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے کہ۔

وان کنتم مریضاً او علی سفر فعدۃ من ایام اخر

اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرو

اس آیت کریمہ میں دو باتیں بیان فرمائیں۔

(۱) ماہِ رمضان خواہ ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا بیمار اور مسافر پر لازم ہے۔ کہ وہ جتنے روزے چھوڑیں

اتنے بعد میں رکھیں تاکہ روزوں کی تعداد پوری ہو۔

(۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ افطار کے لیے سفر علت ہے۔ نہ کہ حکمت۔ کیونکہ سفر میں افطاری کی اجازت اس لیے دی ہے۔ کہ انسان تکلیف اور مشقت میں مبتلا نہ ہو۔ لہٰذا اب یہ کہنا بالکل غلط ہوگا۔ کہ جہاں بھی انسان محنت و مشقت میں مبتلا ہو سکتا ہو۔ وہاں بھی سفر کی طرح افطاری جائز ہے۔ سفر افطاری کی علت ہے حکمت نہیں۔ لہٰذا حکمت پر قیاس کر کے دوسری حالتوں میں افطاری کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

مفطراتِ صوم

بعض اعمال و افعال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ تاہم اس طرح روزہ ٹوٹنے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) بلا کفارہ (۲) با کفارہ

بلا کفارہ

اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کھائے یا کچھ کھا پی لے تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس فعل پر سخت گنہگار رہتا ہے۔ تاہم اس پر کفارہ کوئی نہیں۔ ماسوائے اس کے کہ وہ اس روزہ کی قضا دے۔ سرمہ لگانے اور مسواک کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ تھوک نگلنے اور راہ کی گرد و غبار سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر جان بوجھ کر قے کرے تو بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کلی کرنے۔ نہانے یا منہ دھونے سے روزہ بالکل ٹھیک ٹھاک رہتا ہے اور نہیں ٹوٹتا۔

بحالتِ روزہ میں بیوی کا بوسہ لینے یا چھونے کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) بوسہ لیا مگر انزال نہ ہوا۔

ایسی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۲) بوسہ لیا مگر انزال ہو گیا۔

ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

(۳) بوسہ لیا مگر انزال کی بجائے مذی خارج ہو گئی۔

ایسی صورت میں بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

بہتر یہ ہے۔ کہ جس شخص کو اپنی شہوت پر کنٹرول نہ ہو۔ وہ بیوی کا بوسہ نہ لے اور نہ ہی اس کو جذباتی طور پر مس کرے۔

خود لذتی کی صورت میں بھی اگر انزال ہو جائے۔ تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ تاہم اگر کسی بیماری کی بنا پر بلا شہوت منی خارج ہو جائے۔ یا حالتِ خواب میں احتلام ہو جائے۔ تو اس صورت میں روزہ

نہیں ٹوٹتا۔

با کفّارہ بعض حالتوں میں اگر انسان کا روزہ ٹوٹ جائے تو اس پر کفارہ بھی لازم آتا ہے۔ اگر حالتِ روزہ میں جان بوجھ کر بیوی سے یا غیر بیوی سے نفسانی خواہشات پوری کرے تو اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ جو یہ ہے۔ (۱) غلام کا آزاد کرنا یا (۲) دو ماہ کے روزے رکھنا یا (۳) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

جن دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ جمعہ کا دن۔ فرضی روزوں میں بھی بعض لوگوں کا وطیرہ یہ ہے کہ وہ صرف جمعہ کے دن کے روزے رکھتے ہیں بخاص طور پر جمعۃ الوداع کو تو کبھی ہاتھوں سے نہیں جانے دیتے۔ یہ عادت یا روزے کے بارہ میں یہ تصور سراسر جاہلانہ اور احمقانہ ہے۔ ماہِ رمضان میں جمعہ اور غیر جمعہ میں کوئی فرق نہیں سب ایام کے روزوں کی فرضیت ایک جیسی ہے۔ لہٰذا محض جمعہ کے دن کو روزہ کے لیے مخصوص کرنا مکروہ فعل ہے۔ اس طرح نفلی روزہ میں بھی اپنی عادت کے برخلاف کسی ایک دن کو روزہ کے لیئے مخصوص کر لینا معیوب و مکروہ ہے۔ اس طرح ان ایام میں بھی (نفلی) روزہ رکھنا مکروہ ہے جن کی تعظیم کفار اور مشرکین کرتے ہیں۔ شک کے دن کا روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے۔ سال بھر کے روزے رکھنا اور عیدین کے دن روزہ رکھنا بھی ممنوع ہے۔

جن دنوں میں روزہ رکھنا مستحب ہے۔ نفلی روزہ میں ماہِ رمضان کے بعد عید الفطر کا دن چھوڑ کر متواتر یا غیر متواتر شوال کے چھ روزے رکھنا سنت اور مستحب ہے۔ اور جن لوگوں نے ان کو بدعت کہا ہے۔ وہ ان کی سنت سے لاعلمی اور عدم واقفیّت کی علامت ہے۔

۹ اور ۱۰ محرم کو روزہ رکھنا مستحب ہے۔ ہر ماہ تین دن خصوصاً ایامِ بیض یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ قمری ماہ روزے رکھنا سنت اور مستحب ہے۔ نفلی روزوں میں سب سے بہتر صورت یہ ہے۔ کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کیا جائے۔

روزہ کے فضائل

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک روزہ انسان کی نفسانی و روحانی بیماریوں کے لیئے تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ خورد و نوش سے انسان کی روحانی و ملکوتی قوتیں

دب جاتی ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حیوانی قوتوں کو کمزور کرنے اور ملکوتی قوتوں کی تقویت کے لیے رمضان کے روزے مقرر فرمائے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

الصوم تریاق یستعمل لدفع السموم النفسانیۃ	روزہ نفسانی زہر کا تریاق ہے۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ کھانے پینے کی کمی کی وجہ سے انسان کی روحانی اور باطنی قوتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس کمی کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کھانے پینے کی مقدار کو کم کر دیا جائے۔ اور دوسری یہ کہ کھانے پینے کا وقفہ لمبا کر دیا جائے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ تمام خدائی شریعتوں میں اس دوسری صورت کو ہی اختیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں یہ مشکل پیش آتی ہے۔ کہ مقدار کی کمی ہر شخص کی نسبت سے جدا جدا ہے۔ جس کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا اسلام نے یہ دوسری صورت اختیار کی کہ کھانے پینے کے اوقات میں وقفہ لمبا کر دیا۔ کیونکہ اس سے مطلوبہ مقاصد بطریقِ احسن پورے ہو سکتے تھے۔

ماہِ صیام کی فضیلت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنۃ	جب رمضان کا مہینہ آتا ہے۔ تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:۔

من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ	جس شخص نے یقین اور حصول ثواب کی نیت سے روزے رکھے اس کے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے

آپ نے فرمایا:۔

کل عمل ابن آدم یضاعف الحسنۃ بعشر امثالھا الی سبعمائۃ ضعف ...... الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ فانہ یدع شھوتہ وطعامہ من اجلی	ابنِ آدم کو ہر نیکی پر سات سو گناہ ثواب ملتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ مگر روزہ وہ میرے لیے ہے۔ اور میں ہی اس کا ثواب دوں گا۔ وہ میرے لیے اپنی خواہش اور کھانے کو چھوڑتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ ایک ایسا عظیم الشان عمل ہے۔ کہ اس کا ثواب اور اجر بے حد و حساب ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بنی آدم کے تمام اعمال میں

سے صرف یہ ہی ایک عمل ہے۔ جس میں اخلاص کا اعلیٰ ترین درجہ پایا جاتا ہے۔ شدید بھوک پیاس کی حالت میں بھی انسان محض اللہ تعالیٰ کے حکم میں کچھ نہیں کھاتا پیتا حالانکہ اگر وہ چھپ کر کھانا چاہے تو باسانی کھا سکتا ہے۔ اور ماسوائے ذاتِ حق تعالیٰ کے اسے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہونے کے باوجود وہ کون سی قوت اور طاقت ہے۔ جو ایک مسلمان کو اس وقت بھی پانی کا ایک گھونٹ حلق میں اتارنے سے باز رکھتی ہے۔ جب وہ میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی تہ میں غوطہ زن ہوتا ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں دیکھ رہا ہوتا۔ وہ قوت خدا تعالیٰ کی محبت کی ہے۔ اور یہی اخلاص کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہے۔ جس پر روزہ انسان کو پہنچانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس کا اجر بھی نماز زکوٰۃ اور حج وصدقہ سے زیادہ ہے۔ کیونکہ ان اعمال میں انسان اکیلا نہیں ہوتا۔ جب کہ روزہ میں وہ تنِ تنہا ہوتا ہے۔ اور صرف اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ روزہ میں دوسری اہم خصوصیت یہ ہے۔ اس سے انسان کے اندر حزم و احتیاط کی عادت پڑتی ہے۔ وضو کرتے وقت حکم یہ ہے کہ خوب اچھی طرح ناک میں پانی چڑھا کر اسے صاف کیا جائے مگر روزہ کی حالت میں حکم دیا گیا کہ ایسا مت کرنا۔ ممکن ہے کہ پانی ناک کی راہ پیٹ میں چلا جائے۔ اور پھر احتیاط کا یہ عالم ہے کہ بالکل حلال و طیب چیزوں کا انبار لگا ہے۔ مگر مجال کہ ان کو ہاتھ لگانا تو کجا ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا کرے۔ مگر سب روزہ دار جس طرح ماہِ رمضان میں محتاط ہوتے ہیں۔ اور ان کی احتیاط کا یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ وہ حلال و طیب چیزوں سے بھی بچ کر رہتے ہیں۔ اگر اسی طرح سارا سال وہ حلال کی بجائے حرام سے بچ کر رہیں تو معاشرہ میں انتہائی خوشگوار تبدیلی آجائے۔ ان خصوصیات کی بنا پر ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب بندہ میرے لیئے اپنی خواہشات ترک کرتا ہے اور کھانے پینے سے منہ بند رکھتا ہے۔ تو پھر میں ہی اس کے اس عملِ عظیم کا اجرِ عظیم عطا کروں گا۔

فضیلتِ رمضان کے بارہ میں آپ نے فرمایا۔

للصائم فرحتان فرحة عند فطره وفرحة عند لقاء ربه	روزہ دار کے لیئے دو خوشیاں ہیں۔ افطاری کے وقت۔ اور جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔

آپ نے فرمایا۔

لخلوف فم الصائم اطيب عند الله من ريح المسك	اللہ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بو مسک سے زیادہ اچھی ہے۔

آپ نے فرمایا:۔

الصیام جُنۃ روزے ڈھال ہیں۔

دوسری روایت میں من النار کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ کہ روزہ آگ سے ڈھال ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت میں من النار کے علاوہ حصن حصین بھی مروی ہے۔ کہ روزہ مضبوط قلعہ ہے۔

اس سے ماقبل روایت میں روزہ دار کے منہ کی بو کے متعلق جو کہا گیا ہے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسک سے بھی اچھی ہے۔ اس کے علماء نے کئی معنی بیان کیے ہیں۔

بعض علماء نے اسے مجاز پر محمول کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے۔ کہ جس طرح مسک کو مخلوقِ خدا کا قرب حاصل ہے۔ اسی طرح روزہ دار کو اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ مگر یہ معنی قلب کو اطمینان نہیں بخشتا کیونکہ محض قرب کے اظہار کے لیے مسک کی مثال دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

دوسرا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کا نام مذکور ہے۔ تاہم اس سے مراد اس کے فرشتے ہیں۔ تیسرا معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے روز روزہ دار کو اجر و ثواب عطا فرمائیں گے تو وہ اس قدر زیادہ ہوگا۔ کہ جس طرح مسک کو اکثر استعمال کیا جاتا ہے۔ امام نووی نے اس معنی کو ترجیح دی ہے۔

علامہ نووی نے شرح مہذب میں لکھا ہے۔ کہ ابن الصلاح اور ابنِ عبدالسلام کے مابین اس بارہ میں مباحثہ ہوا۔ کہ یہ روزہ دار کے منہ کی بو جس کی تعریف حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ آیا یہ دنیا میں ہے یا کہ قیامت کے روز۔ ابنِ عبدالسلام نے کہا کہ اس سے مراد روزِ قیامت میں ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم میں یہ الفاظ مروی ہیں۔

اطیب عند اللہ من ریح المسک یوم القیمۃ

کہ قیامت کے دن یہ بو اللہ کے نزدیک مسک سے زیادہ اچھی ہوگی۔ تاہم اکثر علماء نے جن میں حنفی اور مالکی بھی شامل ہیں۔ یہ کہا ہے کہ یہ خوشبو دنیا کے اعتبار سے ہے۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے مسندابنِ سفیان کی حدیث بھی بیان کی ہے۔

مگر صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ یہ آخرت میں ہے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت سے ظاہر ہے۔ اور مسند ابنِ سفیان کی روایت، مسلم کی روایت کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ داروں کو روزہ کے آداب بتاتے ہوئے فرمایا:۔

الصیام جنۃ فاذا کان احدکم صائما فلا یرفث ولا یجھل فان امرؤ قاتلہ اوشاتمہ فلیقل انی صائم انی صائم۔

روزہ ڈھال ہے۔ روزہ دار نہ بدکلامی کرے اور نہ جہالت۔ اور اگر اس سے کوئی جھگڑا کرے یا گالی دے۔ تو وہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ روزہ دار ہوں۔

یہ الفاظ خواہ وہ زبان سے ادا کرے یا قلبی طور پر کہہ دے۔ دونوں طرح جائز ہے۔ بہتر یہ ہے۔ کہ دل میں کہنے کی بجائے زبان سے کہے۔ امام ابن العربی فرماتے ہیں۔ کہ نفلی روزہ میں تو چاہے زبان سے کہے چاہے دل میں لیکن فرضی روزہ میں یہ ضروری ہے۔ کہ یہ الفاظ زبان سے ادا کرے۔

حضور پاک نے فرمایا:۔

اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنۃ و غلقت ابواب النار وصفدت الشیاطین

جب رمضان شروع ہوتا ہے۔ تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یہ سب باتیں مومنوں کی نسبت سے ہیں۔ نہ کہ کفار اور فساق و فجار کی نسبت سے۔

رویت ہلال کا مسئلہ

آج کل رویت ہلال کے مسئلہ نے بھی بہت اہمیت اختیار کر لی ہے۔ اختلاف مطالع کے مسائل نے بھی سر اٹھا لیا ہے۔ اور علماء کرام اس مسئلہ میں اپنی اپنی آراء دے رہے ہیں۔ بعض حنفی علماء نے ریڈیو اور ٹی وی کی خبر پر رویت ہلال کے مسئلہ پر بھی لے دے کی ہے۔ ہم اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی بات کہنے کی بجائے حضرت مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ نقل کرتے ہیں۔ جو آپ کے مجموعۃ الفتاوٰی میں چھپ چکا ہے۔

سوال :۔

علماء دین و مفتیان شرح متین سے سوال ہے۔ کہ مسئلہ ذیل میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم ہو۔ اس کو بحوالہ آیاتِ قرآنی و حدیثِ نبوی بیان فرما کر اللہ جل شانہٗ کی درگاہ سے

اجر جزیل وثواب جمیل کے مستحق ہوں۔

رویت ہلال اگر ایک شہر میں ہو تو دیگر اہلِ امصار و بلاد کے لیئے بھی اس کا اعتبار ہوگا یا خاص اسی اہل شہر کے لیئے کہ جہاں رویت ہوئی۔ بصورت اوّل شہادت بذریعہ خبر تار برقی، وخطوط اخبار سماعی معتبر ہوگی یا نہیں۔؟ اور اس حالت میں شہادت قابلِ قبول کس طرح ہونی چاہیے۔ دوسری صورت میں جہاں رویت ہوئی۔ اس کے قرب وجوار کے امصار وقرای کے لیئے وہ رویت قابلِ حجت ہوگی یا نہیں۔ اگر ہوگی تو کس قدر فاصلہ تک یعنی جس شہر میں رویت ہوئی۔ اس کے باہر اطراف میں کتنے فاصلے تک وہ رویت معتبر سمجھی جائے گی۔

الجواب:

بر وفق حدیث ابنِ عباس کہ در صحاح موجود است۔ ہر بلد را رویت اہل آن بلد معتبر است بلاد بعیدہ کہ بمسافت سفر یک ماہ باشد۔ در حکم رویت بلد آخر داخل نیستند۔ قرب وجوار بلد در حکم بلد است۔ در احادیث صحیحہ ثابت است کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برویت اہل افاق مدینہ روزہ گرفتہ و افطار نمود۔ ان رکبا جاؤا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشہدون انہم راؤا الہلال بالامس فامرہم ان یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاہم رواہ ابوداؤد واما اختلاف حکم بلاد باختلاف مطالع است وادنی مسافت مطالع بقدر یک ماہ است وطحاوی در حاشیہ مراقی الفلاح نوشتہ

یختلف باختلاف المطالع واختارہ صاحب التجرید وھو الاشبہ لان انفصال الھلال من شعاع الشمس یختلف باختلاف الاقطار فی دخول الوقت وخروجہ وھذا مثبت فی علم الافلاک والھیئات واقل ما یختلف بہ المطالع مسیرۃ شہر کما فی الجواھر انتہی ملخصا۔ ودر زیلعی شرح کنز نوشتہ اکثر المشائخ علی انہ لا یعتبر اختلاف المطالع والاشبہ ان یعتبر لان کل قوم مخاطبون بما عندھم وانفصال الھلال عن شعاع الشمس یختلف باختلاف الاقطار والدلیل علی اعتبارہ ما روی عن کریب ان ام الفضل بعثتہ الی معاویہ رضی اللہ عنہ قال فقدمت الشام وقضیت حاجتہا واستھل شہر رمضان وانا بالشام فرأیت الھلال لیلۃ الجمعۃ، ثم قدمت المدینۃ فی اخر الشہر الی ابن عباس رضی اللہ عنہ وذکر الھلال فقال متی رأیتم الھلال فقلت رأینا لیلۃ الجمعۃ فقال انت رأیت قلت نعم ورآہ الناس وصاموا

وصام معاویة فقال لکنا رأیناه لیلة السبت فلا نزال نصوم حتی نکمل ثلاثین یوماً او نراه فقلت اولا تکتفی برویة معاویة وصیامه فقال لا هکذا امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فی المنتقی رواه الجماعة الا البخاری وابن ماجة

فقہاء حنفیہ خبر تار وخط بارہ رویت ہلال معتبر نمیدانند مگر از نصوص شرعیہ وآثار صحابہ ہمیں معلوم مے شود کہ معتبر است ابلاغ نبوی بسلاطین مثل کسریٰ وقیصر وغیرہ بسبیل خطوط بود۔ وجواب از ایشاں ہم بسبیل خطوط مے نمودند وسے نمائید واجوبہ بسبیل خطوط میرسیدند ومیرسند بلد غدغہ بیراں عمل میکردند اگر خطوط اعتبار نہ باشد پس ابلاغ نبوی چگونہ صحیح می شود۔ بر وفق جواب چیرا با ایشاں معاملہ سے نمود وجمیع اہلِ اسلام از سلف وخلف حسب فتویٰ مرسلہ ورسائل وکتب مصنفہ چرا عمل سے نمودند اگر اعتبار خطوط مرفع شود سلسلہ دین بند خواہد شد۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نوشتہ ولو لم یعتمد علی ذالک لضاع الاسلام الیوم وسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم فلیس بایدی الناس بعد کتاب الله الا هذا النسخ الموجوده فی السنن وکذالک کتب الفقه الاعتماد فیها علی النسخ تفصیل ایں را سفر جلیل سے باید،

ترجمہ: صحاح میں مذکور حضرت ابنِ عباسؓ کی حدیث کے مطابق ہر شہر والوں کے لیئے ان کی اپنی رویت معتبر ہے۔ دور کے شہر والے جو کہ ایک ماہ کی مسافت پر ہوں ان کے لیئے یہ رویت معتبر نہیں ہے۔ اور شہر کے گرد و نواح والے اس شہر کے حکم میں شامل ہیں۔ احادیث سے ثابت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد و نواح والوں کی شہادت پر روزہ رکھا اور افطار کیا۔ ابو داؤد اور نسائی میں حدیث ہے۔ کہ چند سوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے گواہی دی کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے۔ اس پر آپ نے حکم دیا کہ افطار کردیں اور کل عیدگاہ کی طرف نکلیں شہروں کی رویت ہلال کا اختلاف مطالع کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ اور مطالع کے مختلف ہونے کی مسافت تقریباً ایک ماہ ہے۔

طحاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھا ہے۔ کہ مطالع مختلف ہونے کی وجہ سے رویت ہلال میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ صاحب تجرید نے بھی یہ مسلک اختیار کیا ہے۔ اور یہی حق ہے۔ اس لیئے کہ جدا ہونا چاند کا شعاع شمس سے مختلف ہوتا ہے۔ بسبب مختلف ہونے افطار کے۔ جیسا کہ

دخولِ وقت اور خروجِ وقت میں (مشاہدہ ہوتا ہے) اور یہ بات علمِ ہیئت اور علمِ افلاک میں ثابت شدہ ہے۔ کہ مطالع کے اختلاف کی ادنیٰ مدت ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے۔ جیسا کہ الجواہر وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور زیلعی نے کنز کی شرح میں لکھا ہے۔ کہ اکثر مشائخ اگرچہ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ مطالع کا اختلاف غیر معتبر ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے۔ کہ مطالع کے اختلاف کا اعتبار کیا جانا چاہیے۔ اس لیے کہ ہر علاقے کے لوگ اپنی طاقت اور اہمیت کے مطابق ہی مکلف ہیں۔ اور مطالع کے معتبر ہونے کی یہ دلیل بھی ہے۔ کہ حضرت کریب کو حضرت ام الفضل نے کسی کام کی غرض سے ملک شام بھیجا۔ وہاں پر آپ نے وہ کام کیا اور شام کے ملک میں ہی انہیں رمضان نے آلیا۔ انہوں نے جمعرات کو چاند دیکھا اور پھر رمضان کے آخری ایام میں مدینہ منورہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس آ گئے۔ آپؓ نے رویت ہلال کا ذکر فرمایا۔ اور پوچھا کہ تم نے چاند کب دیکھا۔ انہوں نے کہا ہم نے جمعرات کو دیکھا۔ آپؓ نے پوچھا تم نے خود دیکھا ہے۔ میں نے کہا جی ہاں۔ اور دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا ہے۔ اس پر ہم نے بھی اور حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا لیکن ہم نے تو اسے ہفتہ کی رات دیکھا تھا۔ لہٰذا ہم تو اپنے حساب سے ہی روزے رکھیں گے۔ اور اس کی گنتی پوری کریں گے حضرت کریب فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ کیا حضرت معاویہؓ کا چاند دیکھنا اور روزہ رکھنا کافی نہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے۔

فقہاء حنفیہ ہلال کے بارہ میں تار اور خط کی خبر کو معتبر نہیں مانتے۔ مگر شرعی نصوص اور آثارِ صحابہ اس کے خلاف ہیں۔ اور ان سے ثابت ہے کہ یہ معتبر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ وغیرہ کو جو دعوت دی ہے۔ سب خطوط ہی کے ذریعے تھی۔ اور وہ بھی بذریعہ خطوط ہی جواب ارسال کرتے تھے۔ صحابہ کرام، ائمہ سلف اور تمام اہلِ اسلام جو آپس میں مسائل کے بارہ میں پوچھتے ہیں۔ تو یہ سب بذریعہ خط و کتابت ہی ہوتا ہے۔ اور یہ تمام لوگ بغیر کسی شک و شبہ کے ان پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر خطوط وغیرہ کو معتبر نہ مانا جاتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام صحیح کیسے ہو سکتی ہے۔ اور جمیع اہلِ اسلام سلف و خلف کیوں فتویٰ مرسلہ پر عمل بجا لاتے تھے۔ اور تمام مصنفوں رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصنیف شدہ رسالوں اور کتابوں پر عمل کرنا کس طرح جائز ہوگا۔ اگر خط و کتابت کا اعتبار نہ کیا جاتا تو آج تک اسلام ضائع ہو چکا ہوتا۔ کیونکہ کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہی نسخوں میں موجود ہے۔ اور اس قاعدہ کی بنا پر کتب فقہ کا بھی اعتبار نہیں رہتا۔

نماز تراویح

ماہ رمضان کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ نماز تراویح کی رکعات کی تعداد کا ہے۔ اس مسئلہ میں علماء احناف نے بے جا تشدد اور سخت روی اختیار کر رکھی ہے۔ وہ آٹھ رکعت تراویح کو سنت ہی نہیں مانتے اور صرف بیس رکعت تراویح کے مسنون ہونے پر مُصر ہیں۔ جبکہ اس سلسلہ میں اہل حدیث مسلک بڑا واضح اور صاف ہے۔ اس میں نہ تشدد ہے اور نہ تعصب آٹھ رکعت تراویح سنت ہے۔ اور اس کے بعد نفلی عبادت کی کوئی حد نہیں۔ کوئی چالیس پڑھتا ہے۔ یا ساٹھ بطور نفل جائز ہے حضرت مولینا عبدالجبار صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نماز تراویح کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

"آٹھ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر یا دس رکعت تراویح اور تین وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہیں۔ اور امیر المؤمنین خلیفہ ثانی عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس گیارہ یا تیرہ کا حکم دیا ہے۔ صحیح ابن حبان اور قیام اللیل مروزی میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعۃ والوتر فلما کان فی القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج الینا فلم نزل فیہ حتی اصبحنا قال انی کرھت وخشیت ان یکتب علیکم الوتر وعن جابر قال جاء ابی ابن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی اللیلۃ شئ قال وما ذالک قال ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرء القران فنصلی خلفک بصلوٰتک	ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ دوسری رات ہم مسجد میں جمع ہوئے۔ اور صبح تک بیٹھے رہے۔ اس امید پر کہ آپ آئیں گے۔ صبح آپ آئے تو فرمایا مجھے ڈر تھا کہ تم پر فرض نہ ہو جائے حضرت جابر سے روایت ہے۔ کہ آپ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے آج رات کچھ ہو گیا آپ نے فرمایا بتاؤ۔ میں نے کہا میرے محلے کی عورتوں نے کہا ہم قرآن نہیں پڑھ سکتیں تیرے پیچھے نماز پڑھیں اور تیری نماز کی اقتداء کریں۔ تو میں نے ان کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی اور وتر بھی آپ یہ سن کر چپ ہو گئے۔

وصلیت بھن ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ

موطا امام مالک میں سائب بن یزید سے روایت ہے۔

امر عمرؓ ابی بن کعب و تمیما الداری	حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری
ان یقوما للناس فی رمضان	کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں گیارہ
باحدی عشر رکعۃ وفی روایۃ	رکعت پڑھائیں ایک روایت میں ہے۔ کہ
نصلی فی رمضان زمن عمر بن خطاب	کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان میں
ثلث عشر رکعۃ	گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

جابر کی دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رمضان میں تراویح جماعت کے ساتھ پڑھائی۔ وہ گیارہ رکعت تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابی بن کعب نے بھی عورتوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھائی۔ اور امیر المومنین خلیفہ ثانی نے بھی اماموں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ سائب بن یزید کی روایت میں ہے۔ اور عدد رکعات تراویح کے بارہ میں محدثین سائب بن یزید کی حدیث کو جو مذکور ہوئی سب سے اصح اور اثبت جانتے ہیں جیسا کہ ابن اسحاق نے لکھا ہے۔

ما سمعت فی ذالک حدیثاً ھو اثبت	میرے نزدیک سائب بن یزید سے بڑھ
عندی والاحری من حدیث السائب	کر کوئی صحیح اور مناسب حدیث نہیں جس میں
بن یزید وذالک ان صلوٰۃ رسول اللہ	ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعت
صلی اللہ علیہ وسلم کانت من اللیل ثلث عشر رکعۃ	پڑھا کرتے تھے۔

شیخ عبدالحق دہلوی حنفی محدث ما ثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں۔

والصحیح ما روتہ عائشۃ انہٗ صلی	صحیح بات یہ ہی ہے۔ جو حضرت عائشہ نے
احدی عشرۃ رکعۃ کما ھو عادتہ فی	بیان کی۔ کہ آپ نے گیارہ رکعت ادا کی جیسا
قیام اللیل وروی انہٗ کان بعض	کہ آپ کی رات کی نماز میں عادت مبارکہ تھی یہ بھی مروی ہے۔
السلف فی عہد عمر بن عبدالعزیز	کہ حضرت عمرؒ کے زمانے میں بعض آئمہ سلف
یصلون باحدی عشرۃ رکعۃ قصد	گیارہ رکعت ادا کرتے تھے تاکہ رسول اللہ کی
التشبہ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مشابہت ہو۔

الغرض گیارہ رکعت تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین اعلام سے ثابت ہے۔ پس جو کوئی اس سے انکار کرے یا برا جانے وہ بلا ریب علم حدیث سے جاہل اور بے خبر ہے سنت مؤکدہ یہی گیارہ رکعت ہیں۔ باقی نفل ہیں بیس پڑھے یا چھتیس یا چالیس اختیار ہے ممانعت شرعی کوئی نہیں۔